دنیا......دین کی نظر میں

رئیس العلماء استاد سید محمد کاظم نقوی مدظلہ العالی، علی گڑھ

عام رجحان اور اس کا پس منظر

عام طور سے لوگوں کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہے کہ دنیا بری ہے۔ وہ دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ جو شخص بھی وعظ کرنا چاہتا ہے سب سے پہلے اس کے ذہن میں یہی آتا ہے کہ وہ لوگوں کے دل کو دنیا کی طرف سے موڑے اس کی نظر میں سے اسے حقیر اور ذلیل کرنے کی کوشش کرے۔

اس مسئلہ کا لوگوں کی اخلاقی تربیت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بغیر اسے حل کئے ہوئے اس سوال کا جواب نہیں مل سکتا کہ وہ مسائل زندگی کی طرف کس طرح اور کیونکر متوجہ ہوں؟ اس لحاظ سے اس مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اسے صحیح طریقہ سے سلجھا دیا جائے تو اس کا بہت اچھا اثر لوگوں کے اخلاقیات اور ان کے باہمی روابط وتعلقات پر پڑے گا۔ اس سلسلے میں غلط فہمیاں انسان کے اعصاب کو سُن کر سکتی اور اس کے دل ودماغ کو بے حس بنا سکتی ہیں۔ طرح طرح کی شخصی اور اجتماعی بدبختیوں کا سرچشمہ بن سکتی ہیں۔ اسے قضا وقدر کی کارفرمائی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے متعلق نظم اور نثر میں نصیحتوں کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اس میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کے اعصاب سن اور بے حس ہوجاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔

۱- دنیا میں اسلام کے آنے سے پہلے جو فلسفے رائج تھے ان کی بنیاد اسی پر تھی کہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ برا ہی برا ہے۔ ان فلسفوں کی عمارت زمانے، دنیا اور خود وجود سے بدظنی کی اساس پر بلند ہوئی تھی۔ دوسری قوموں سے ملنے جلنے کی وجہ سے یہ فلسفے مسلمانوں کے درمیان بھی پھیل گئے۔

۲- ظاہر ہے کہ چودہ سو برس کے طویل عرصہ میں مسلمانوں کو بڑے بڑے کٹھن اور ناخوشگوار واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ انقلاب کے طاقتور ہاتھوں نے انھیں زیروزبر کردیا۔ ان کے عروج کو زوال سے بدل دیا۔ سکون اور اطمینان کی نعمت ان سے چھین لی۔ عزت واقتدار کا تاج ان کے سر سے اتار لیا۔ ان کی قدرتی دولت کے خزانے لوٹ لئے یا انھیں ہتھیا لیا۔ انھیں غریبی، افلاس، بے چارگی اور محتاجی کی مصیبتوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان دنیا سے بدظن ہوجائیں۔ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔ اسے حقیر اور ذلیل سمجھنے لگیں۔

قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

دنیا کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ کیا قرآن مجید بھی انسان کو دنیا سے بدظن بنانا چاہتا ہے؟ جہاں تک اسلام اور قرآن کا تعلق ہے وہ انسان کو اس قسم کی تعلیم

نہیں دیتا ہے۔ بے شک قرآن کریم نے دنیا کی زندگی کو فانی اور ناپائیدار قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک وہ اس قابل نہیں ہے کہ انسان اسے اپنی انتہائی آرزو اور مقصد اصلی سمجھے۔ قرآن مجید نے اعلان کیا: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَملاً۔ ''مال اور اولاد اس دنیوی زندگی میں چہل پہل پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ لیکن نیک اعمال جو باقی رہنے والے ہیں وہ اس لئے بہتر ہیں کہ خدا ان کا صلہ عطا فرمائے گا۔ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ انسان ان کی تمنا کرے۔

شروع سے آخر تک قرآن کی ورق گردانی کر ڈالئے۔ اس نے کہیں اس دنیا کے موجودات آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں، درختوں اور جانوروں کی برائی نہیں کی ہے۔ اس کے برخلاف انھیں اور ان کے نظام کو تعریف کے قابل سمجھا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا لَاعِبِیْن۔ ''ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بلا کسی مقصد کے کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیا ہے۔''

قرآن مجید میں مختلف موجودات عالم کی قسم کھائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ خدا کی نظر میں برے اور حقیر ہوتے تو وہ ہرگز ان کی قسم نہ کھاتا۔ وَالشَّمْسِ وَضُحَاھَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلَاھَا۔ سورج اور اس کی دھوپ کی قسم چاند کی قسم وہ اس کے پیچھے نکلے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا نفس انسانی کی قسم اور اس کی طاقت کی قسم جس نے اس کو بالکل ٹھیک ٹھیک بنایا۔ اس کے بعد اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی فطرت میں نیکی اور بدی کا شعور بھی رکھ دیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور اس کی چیزوں کو حقیر اور برا سمجھنا فلسفۂ اسلام کے مرکزی نقطے معرفت خدا کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ یہ نظریہ مادہ پرستی اور انکار خدا سے میل کھاتا ہے۔ اس کا سرچشمہ یگانہ پرستی نہیں۔ ثنویت اور دوگانہ پرستی بھی ہوسکتی ہے۔ بعض مذاہب وجود کے دو سرچشمے قرار دیتے ہیں۔ ایک نیکی کا سرچشمہ اور دوسرا برائی کا سرچشمہ۔ لیکن اسلام کی اساس خدا کے اعتقاد پر ہے۔ وہ ساری کائنات کو اس کی کارسازی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ذرے سے لے کر آفتاب تک اُس کے وجود کی نشانیاں ہیں جو صرف اس کے وجود کو نہیں، اس کے علم، حکمت اور قدرت کو بھی بتا رہی ہیں۔

ٹھیک اور بالکل ٹھیک کہ قرآن مجید میں زوال اور فنا کی مثال کے طور پر دنیا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے اس گھاس کے مانند قرار دیا گیا جو برسات میں خود بخود زمین سے اگتی، بڑھتی پھر کچھ دن کے بعد پیلی اور خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا مقصد انسان کی نگاہ کو بلند کرتا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ انسان دنیا اور اس کے مادی امور کو اپنی انتہائی آرزو نہ قرار دے یہ اس قابل نہیں ہے کہ انسان جیسے اشرف المخلوقات موجود کا مقصد اصلی بنے۔ اس بات کا اس سے کیا ربط کہ ہم دنیا کو ذاتاً برا اور حقیر سمجھیں؟

یہی وجہ ہے کہ مفسرین اور علمائے اسلام کے درمیان کوئی شخص ایسا نہیں ملتا کہ جس نے قرآن مجید سے یہ نتیجہ

نکالا ہو کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عالم اور موجوداتِ عالم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھو۔ ہمیشہ ان کی طرف سے بدظن اور بدگمان رہو۔

دنیا نہیں۔ محبت دنیا

دنیا سے متعلق قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور توجیہ کرتے ہوئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کا مقصود خود دنیا کی برائی کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا انہی موجود کا نام ہے۔ دنیا، یعنی زمین، آسمان، چاند، سورج، پہاڑ دریا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بری نہیں ہے۔ یہ چیزیں کیسے بری ہوسکتی ہیں جب کہ ان میں سے ہر ایک خدا کی حکمت وقدرت کی نشانی ہے؟ ان کا خیال ہے کہ جو چیز بری اور قابلِ مذمت ہے وہ ان موجودات سے محبت اور دلبستگی ہے۔ دنیا بد نہیں محبت دنیا بد ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ محبت دنیا کی مذمت میں نظم ونثر کا اتنا بڑا ذخیرہ مختلف زبانوں میں موجود ہے جس پر مستقل طور سے کام شاید پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ریسرچ پر موضوع بن سکتا ہے۔

مذمت دنیا کی مذکورہ توجیہہ بہت مشہور ہے۔ اکثر لوگوں سے اگر آپ پوچھیں کہ دنیا کے برے ہونے کا کیا مطلب؟ تو وہ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ محبت دنیا بری ہے ورنہ دنیا خود بخود بری نہیں ہے۔ وہ بری ہوتی تو خدا اسے پیدا نہ کرتا۔ وجود میں آنے والی کوئی چیز بری نہیں ہے۔ چونکہ وجود ذاتاً عدم سے اشرف ہے اس لئے کوئی موجود پست اور حقیر نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ بالا توجیہہ اگرچہ بہت مشہور ہے۔ وہ انتہائی مسلّم اور بے عیب فرض کی گئی ہے لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ عقلی طور پر صحیح ہے اور نہ خود قرآن مجید کے دوسرے آیات کا مضمون اس کے ساتھ سازگار ہے۔

سب سے پہلے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ انسان جو دنیا سے محبت کرتا ہے آیا وہ فطری اور طبعی ہے یا ایسا نہیں ہے؟ مخصوص اسباب مثلاً رسم ورواج وغیرہ نے یہ محبت اس کے دل میں پیدا کردی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ماں باپ اپنے بچوں سے اور اولاد اپنے والدین سے محبت کرتی ہے۔ عورت کو مرد سے محبت ہے، مرد عورت کو چاہتا ہے۔ ہر شخص مال ودولت سے تعلق خاطر رکھتا ہے۔ ہر ایک کی آرزو ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں۔ وہ سماج میں محبوب اور ہر دلعزیز ہو۔

فرمائیے کہ یہ مختلف چیزوں سے محبتیں ہر شخص کی فطرت میں راسخ ہیں یا بناوٹی ہیں؟ غلط تربیت کا نتیجہ ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ محبتیں فطری ہیں جب کہ ایسا ہے تو یہ بری اور مذموم کیسے ہوسکتی ہیں؟ یہ کیونکر انسان کا فرض ہوسکتا ہے، کہ انھیں دور کرے، اپنے دل سے نکال کر باہر پھینک دے؟

جس طرح ان چیزوں کو جو بیرونی دنیا میں موجود ہیں بری، قابل مذمت اور خالی از مصلحت نہیں کہا جاسکتا اسی طرح انسان کے فطری رجحان اور میلان کو بے حکمت و مصلحت نہیں کہا جاسکتا۔ کوئی سنجیدہ، صاحب فہم ایک مہین سی رگ ایک ننھے سے جز ایک باریک بال کی بابت یہ نہیں کہا

جاسکتا کہ وہ انسان یا جانور کے جسم میں بے فائدہ بے مقصد، لغواور فضول ہے۔

یہی صورت انسان کے نفسیات اور روحیات کی ہے۔ انسان کے رجحانات اور میلانات کی فہرست میں کوئی طبیعی اور فطری میلان ورجحان ایسا نہیں ہوسکتا جو بے حکمت، بے مصلحت، بے فائدہ اور بے مقصد ہو ان میں سے ہر ایک اپنے دامن میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت رکھتا ہے۔ اولاد سے محبت، والدین سے محبت، بیوی سے محبت، مال ودولت سے محبت، ترقی واقبال سے محبت، محبوبیت اور ہردلعزیزی سے محبت۔ ان میں سے ہر ایک کی ذات کے ساتھ بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ ان کے بغیر انسانی زندگی کا شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا ہے۔

پھر اسے کیا کیجئے گا کہ خود قرآن مجید ان محبتوں کو خدا کی حکمت وقدرت کی نشانی قرار دیتا ہے۔ وَمِنْ اٰیٰاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ ''قدرت خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے لوگو! اس نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لئے شریک حیات کو قرار دیا۔ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت رکھی۔ اس بات میں خدا کی حکمت، مصلحت، تدبیر اور تسخیر کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو اس قسم کے مسائل میں غور کرتے ہیں۔

اگر زن ومرد کی باہمی محبت بری اور قابل نفرت ہوتی تو اسے ہرگز اس آیت میں خدا کے حکیمانہ کارناموں کی فہرست میں ذکر نہ کیا جاتا۔

اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ رجحانات اور میلانات نظم عالم کے برقرار رہنے کا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ فطری محبتیں نہ ہوتیں تو نسل انسانی وجود میں نہیں آسکتی تھی، تمدن کی گاڑی رینگ نہیں سکتی تھی۔ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے، نہ کارخانے ہوتے، نہ فیکٹریاں ہوتیں نہ محنت ہوتی نہ مزدوری ہوتی نہ حرکت ہوتی، نہ ترقی ہوتی ہر طرف جمود وخمود، سکوت وسکون چھایا ہوتا۔

جو طبقہ تمام موجودات عالم سے بدظن ہے۔ ساری کائنات کو برا اور قابل مذمت سمجھتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی راہ چارۂ تدبیر نہیں ہے۔ اسے بہرحال انہیں سانپ بچھوؤں کے بیچ میں رہنا اور ان کے ساتھ نباہ کرنا ہے۔ دوسروں کو ڈستے رہنا اور خود ان کے ڈنکوں سے چھدتے رہنا ہے۔ ہاں وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں کہ دنیا بری نہیں ہے۔ محبت دنیا بری ہے، ان کے لئے سلامتی کا راستہ موجود ہے۔ انھیں ان میلانات سے ٹکر لے کر انھیں مغلوب کرلینا بلکہ اپنی فطرت سے اگر ہوسکے تو ان کی جڑیں اکھاڑ کر دور پھینک دینا چاہئے ایسا کرنے کے بعد ممکن ہے کہ انسان کی جان شر کے پنجے سے چھوٹ جائے وہ خوش بخت اور خوش طالع ہوجائے۔

لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ فلسفہ کا فیصلہ ہے اور علم النفس بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انسان کی فطرت میں جو میلانات اور رجحانات موجود ہیں ان کی جڑیں روح انسانی کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہیں۔ انھیں اکھاڑا نہیں جاسکتا۔ انتہائی دھینگامشتی اور کوشش کے بعد انھیں بس

ڈھکیل کر شعور باطن کے حدود میں پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکثر دوسرے راستوں سے نہایت خطرناک طور پر ظاہر اور نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ انسان کو اعصابی اور نفسیاتی روگوں میں جکڑ دیتے ہیں۔ ان کی زد میں اس کے دل و دماغ آجاتے ہیں۔ یہ کوئی رقیق، عمیق، باریک اور گہری بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کسی فطری میلان کا گلا گھونٹ دینا انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا یہ ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے اعضاء جسم میں سے کسی جز کو ہاتھ یا پیر یا ناک یا کان کو کاٹ ڈالے ہر قوت انسان میں کسی مقصود غرض کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرار دی گئی ہے۔ عالم خلقت میں کوئی چیز بے فائدہ، بے مصلحت اور بے حکمت نہیں ہے۔ کسی طاقت اور اس کے مرکز کو اجاڑ کر انسان چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ موجودات عالم سے محبت بری اور مضر ہے۔ اس میں چارہ و تدبیر کی راہ بھی یہ نہیں بتائی گئی ہے کہ ان فطری میلانات کا سر کچل دینا چاہئے۔

پھر صحیح کیا ہے؟

صحیح وہی ہے جس کی طرف پہلے ایک چھوٹا سا اشارہ کیا گیا ہے۔ صحیح وہی ہے جس کا اعلان اسلام اور قرآن نے کیا کہ دنیا کی مادی چیزوں کو مقصد اعلیٰ قرار دینا غلط ہے۔ انھیں پا کر یہ سمجھ لینا درست نہیں ہے کہ ہم نے سب کچھ پالیا۔ پھر وہی آیات پڑھئے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کے ساتھ پڑھئے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلاً۔ مال و دولت اور اولاد اسی دنیوی زندگی کی رونق ہیں۔ لیکن وہ اعمال خیر جو خداوند عالم کے عوض دینے کی وجہ سے باقی رہنے والے ہیں یقینا بہتر اور اشرف ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ انسان انھیں اپنا مقصد اعلیٰ قرار دے۔

اسلام اور قرآن اہل دنیا کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غَافِلُوْنَ۔

''وہ لوگ کہ جن کے دل میں ہم سے ملنے کی آرزو نہیں ہے۔ جو اپنی اس مادی زندگی میں مگن ہیں اور اس کے بارے میں مطمئن ہیں وہ کہ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

یہ اہل دنیا کا ذکر ہے جو اسلام کے نزدیک نفرت اور مذمت کرنے کے قابل ہیں۔

قرآن مجید میں رسولؐ کو حکم دیا گیا۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ جو شخص ہماری یاد سے منہ موڑے۔ اے رسولؐ! تم اس کی طرف سے منہ موڑ لو۔ یونہی تمہیں اس شخص سے بھی روگردانی کرنا چاہئے جس کا مطمع نظر اس مادی پست زندگی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ ان کی سطح ذہنی کی بس یہی آخری حد ہے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوَاتِ مِنَ النِّسَآئِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ۔

''عورت، اولاد، سونے، چاندی، اصیل گھوڑوں،

چوپاؤں، کھیتوں سے لگاؤ اور محبت کے جلوے لوگوں کی نگاہوں میں کھپ گئے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دنیاوی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ نیک انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

کیا تم لوگ آخرت کے بجائے دنیوی زندگی سے رضامند ہوگئے ہو، دنیا اور آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان آیتوں میں جس بات کی مذمت کی گئی ہے وہ دنیا پر قناعت کر لینا آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو اپنا مطمع نظر بنالینا ہے۔

ان دو باتوں میں فرق اور بہت بڑا فرق ہے کہ انسان مال و دولت، اولاد، جاہ و حشم، شہرت اور ہر دلعزیزی کا طالب ہو اور اس میں کہ وہ ان چیزوں کو انتہائے آرزو اور مقصد اصلی قرار دے۔ جب کہ مقصود یہ ہو کہ انسان کو اس سے روکا جائے کہ اس کے توجہات کا مرکز دنیا اور صرف دنیا ہو۔ اور اس کے پورے ہونے کا ہرگز یہ طریقہ نہیں ہے کہ انسان کے دل سے دنیوی امور کی فطرت کو نکال دیا جائے۔ اس کے میلانات کا سر کچل دیا جائے۔ طبیعی قوتوں کا سوتا سکھا ڈالا جائے۔ اصلاح حال کا بہترین اور کامیاب طریقہ یہ ہے کہ انسان کے دوسرے رجحانات کو جھنجھوڑ کر جگا دیا جائے انسان کی فطرت میں جسمانی اور مادی میلانات کے علاوہ کچھ دوسرے میلانات بھی اسی قدرت کے طاقتور ہاتھوں نے قرار دیئے ہیں۔ لیکن ان کے ابھرنے کے لئے تحریک کی ضرورت ہے۔

مذہبی تعلیمات انسان کے بلند شعور کو جگانے کے لئے ہیں۔ یہ شعور فطرت انسانی کے اندر موجود ہے۔ لیکن چونکہ وہ اونچا ہے۔ اس کا سرچشمہ انسانیت کا بلند تر پہلو ہے۔ لہٰذا وہ دیر میں جاگتا ہے۔ اسے بیدار یا زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شعور معنویات کا شعور ہے۔ یہ شعور روحیات کا شعور ہے۔ چونکہ ہر میدان کا سرچشمہ روح انسانی ہے اس لئے اسلام یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ ان مادی اور محسوس چشموں کو خشک کر دے۔ اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے چشموں کو بھی بہنے کا موقع دیا جائے جن کی انسانی فطرت امانتدار ہے۔ وہ چشمے معنویات کے چشمے ہیں۔ اسلام اور قرآن ہرگز ہرگز اس کا درپے نہیں ہے کہ خلقت انسانی میں خدا کے دست قدرت وحکمت نے جو مادی طاقتیں رکھ دی ہیں انھیں معطل بنا دیا جائے۔ بلکہ اسلام اور قرآن کی کوشش یہ ہے کہ انسان کی ان معنوی قوتوں کو نمایاں کیا جائے جو بغیر ابھارے خود سے عام طور پر ابھرا نہیں کرتی ہیں۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے مناسب ہے کہ ایک مثال پیش کر دی جائے۔

فرض کیجئے کہ کسی شخص کا ایک لڑکا ہے، وہ اسے اسکول بھیجتا ہے۔ باپ جب دیکھتا ہے کہ اس کے لڑکے کو صرف کھانے پینے، کھیلنے سے مطلب ہے تو اسے رنج ہوتا ہے۔ وہ اپنے لڑکے پر خفا ہوتا ہے اسے سرزنش کرتا ہے۔ فرمایئے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا پڑھنے لکھنے کی طرف متوجہ ہو۔ ظاہر ہے کہ لڑکا پہلے کھانے، پینے، کھیلنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور سبق، کتاب اور لکھنے پڑھنے کی جانب بعد میں توجہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے

تحریک کی ضرورت ہے۔ توجہ دہانی، انعام واکرام قرار دینے کی ضرورت ہے۔ علم دوستی اور کمال طلبی کا جذبہ انسانی فطرت میں موجود ہے لیکن اسے جگانے کی ضرورت ہے۔

یقیناً کوئی سمجھدار باپ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے لڑکے کو کھیل کود سے نفرت ہوجائے۔ اتفاقاً اگر کبھی وہ محسوس کرے کہ اس کا بچہ کبھی کھیلتا نہیں ہے تو شاید وہ پریشان ہوجائے۔ ممکن ہے کہ پہلے خود کہے کہ بیٹا بس پڑھ چکے، اٹھو، چلو پھرو، کھیلو۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔ اس سے شکایت کرے کہ ڈاکٹر صاحب اسے کیا ہوگیا ہے؟ یہ ہر وقت پڑھتا لکھتا رہتا ہے اسے کھیلنے کو دل ہی نہیں چاہتا ہے۔

اس پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو معلوم ہے کہ ایک تندرست بچہ وہ ہے جو پابندی سے اسکول جانے اور پڑھنے لکھنے کے ساتھ کھیلے بھی، گھومے پھرے بھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باپ جب اپنے لڑکے پر ناراض ہوتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کے لڑکے کو صرف کھیلنے سے سروکار ہو۔ پڑھنے لکھنے سے اسے کوئی مطلب نہ ہو۔

اسلام اور قرآن کا انسان اور جہان کے متعلق ایک مخصوص نقطۂ نظر ہے۔ وہ انسان کو روکتا اور پوری قوت سے روکتا ہے کہ اس کی پوری توجہ کا مرکز صرف دنیا اور اس کی مادی چیزیں ہوں۔ وہ زندگی کو اسی دنیوی مادی زندگی میں محدود نہیں سمجھتا۔ وہ اس دنیوی زندگی کی قدر و قیمت کا قائل ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے زیادہ وسیع اور ایک عظیم دوسری زندگی کا بھی انسان کو پیغام دیتا ہے۔ یہ دنیوی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ یہ فانی ہے وہ باقی ہے۔ اس کے علاوہ وہ دنیا کو بھی اس دنیا میں محدود نہیں سمجھتا ہے۔ عالم آخرت بھی موجود ہے۔ اس دنیا کی نسبت عظمت ووسعت کے اعتبار سے اس عالم آخرت سے اتنی بھی نہیں ہے جو رائی کے دانہ کی نسبت کوہ ہمالیہ سے۔ اسلام اور قرآن کے انسان اور جہان کے بارے میں اس نقطۂ نظر کا نتیجہ صاف ہے۔ بے شک انسان اس درخت دنیا کا ایک پھل ہے۔ لیکن اس کے باوجود اور زندگی کا دامن دنیا کے حدود سے نکل کر عالم آخرت تک پھیلا ہوا ہے۔ جب کہ انسان کو موجودات عالم کے درمیان یہ اہمیت حاصل ہے تو ہرگز اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ دنیا اور اس کے مٹ جانے والی چیزوں کو اپنا آخری مقصد قرار دے۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں: ''لَیْسَ الْمُتَجَرُ اَنْ تَرَی الدُّنْیَا لِنَفْسِکَ ثَمَنًا'' ''یہ کوئی سودمند اور فائدہ بخش تجارت نہ ہوئی کہ اے انسان تو اپنے بیش بہا نفس کی قیمت اس فانی دنیا کو قرار دے لے۔'' جس طرح فلسفۂ قرآنی ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم دنیا اور اس کے موجودات سے بدظن ہوں، انھیں برا اور مذموم سمجھیں۔ کیونکہ وہ معرفت خدا کا ذریعہ ہیں۔ وہ اس کے علم وحکمت کی نشانیاں ہیں، وہ قابل مذمت نہیں قابل مدح ہیں۔ اسی طرح وہی فلسفۂ قرآن ہدایت کرتا ہے کہ انسان کی آرزوؤں کا مرکز دنیا اور اس کی مادی چیزوں سے بالاتر ہونا چاہئے۔

❁❁❁